اسلام آباد میں ایک جوگی سے ملاقات![1]

آج میں آپ کا تعارف اپنے ایم۔اے۔او کالج کے ایک پرانے دوست اور آج کے ایک بہت بڑے صوفی دانشور سے کرانا چاہتا ہوں۔

تب کی بات ہے جب ایم۔اے۔او کالج لاہور کا ہاسٹل ''طالب علم رہنماؤں'' کی ''آماجگاہ'' بنا ہوا تھا چنانچہ ''خیر سگالی'' کے اظہار کے طور پر حریف رہنماؤں میں باہمی فائرنگ کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ اس کے بعد کالج میں دنگا فساد بھی عام تھا' آئے روز ''پولیس مقابلے'' ہوتے تھے۔ میں ان دنوں ایم۔اے۔او کالج میں اردو کا استاد تھا۔ ایک روز کالج میں داخلے کا متمنی ایک نوجوان اعجاز حسین بٹالوی کا ایک خط میرے نام لے کر آیا' جس میں لکھا تھا ''برادرم قاسمی صاحب! حامل رقعہ ہذا کا خیال ہے کہ انسان کو علم حاصل کرنا چاہیے' خواہ اس کے لیے ایم اے او کالج ہی کیوں نہ جانا پڑے۔'' یہ بھی انہی دنوں کی بات ہے کہ کسی شخص نے کسی سے پوچھا: ''کیا وجہ ہے کہ گورنمنٹ کالج' اسلامیہ کالج اور ایف۔ سی کالج وغیرہ میں سے ہر سال ایک آدھ طالب علم ایسا نکلتا ہے جو کالج کا نام روشن کرتا ہے' ایم۔اے۔او کالج سے کیوں نہیں نکلتا؟'' اس ستم ظریف نے جواب دیا: ''طالب علم یہاں فرسٹ ایئر میں داخلہ لیتا ہے اور فورتھ ایئر تک پہنچتے پہنچتے پولیس مقابلے میں مارا جاتا ہے۔ کوئی بچے گا تو کالج کا نام روشن کرے گا۔'' خیر یہ تو لطیفہ گوئی تھی۔ اسی تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ یہ لاہور کا واحد کالج تھا جو انتہائی کم نمبروں والے طلبہ کو داخلہ دیتا تھا اور اس کے باوجود اس کا رزلٹ بہت قابل فخر نہ سہی' باعث شرمندگی بھی نہیں تھا۔ میری ملاقات ایک چیف انجینئر سے ہوئی۔ اس نے کہا: ''مجھے لاہور کے تمام کالجوں نے دھتکار دیا کیونکہ میٹرک میں میرے نمبر کم تھے' لیکن ایم۔اے۔او کالج نے مجھے اپنی آغوش شفقت میں پناہ دی۔ میں آج چیف انجینئر ہوں۔ میں اس کالج کا احسان نہیں اتار سکتا۔'' اس زمانے میں ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ ہمارے کالج کو طعنے دینے والے ایک سال کے لیے گورنمنٹ کالج میں اعلیٰ ترین نمبر حاصل کرنے والے طالب علموں کا داخلہ ایم۔اے۔او کالج منتقل کر دیں اور جو لڑکے ہم نے داخل کیے ہیں' وہ ہم گورنمنٹ کالج منتقل کر دیتے ہیں اس کے بعد دیکھیں گے کہ کس کالج کا رزلٹ اور ڈسپلن مثالی ہے؟

انجمن اسلامیہ کے زیر اہتمام قیام پاکستان سے پہلے سے قائم اس تاریخی کالج کی بے پناہ خدمات ہیں۔ اس کا ذکر میں کبھی بعد میں کروں گا۔ فی الحال میں اپنے ایک کولیگ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس کا تعلق شعبہ انگریزی سے تھا۔ اس زمانے میں پروفیسر خورشید صدر شعبہ انگریزی تھے' وہ اپنے شعبے کے خواجہ صاحب' اطہر زیدی' محبت علی الفت' اعجاز اور دوسرے تمام اساتذہ کو بہت تحفظ دیتے تھے اور انہیں مرغی کی طرح اپنے پروں کے نیچے رکھتے تھے۔ انہی میں میرا یہ دوست بھی تھا۔ جوان رعنا' سانولا رنگ' ماتھے پر دلیپ کمار کی طرح بالوں کی لٹ' نہایت خوش لباس اور خوش گفتار اور چین سموکر۔ اسے انگریزی اور اردو پر یکساں دسترس تھی۔ مطالعے کا بے حد شوقین تھا' اس دوست کے مزاج کا انداز دوسروں سے بالکل مختلف تھا۔ جب کالج میں ہمارا آمنا سامنا ہوتا۔ یہ مجھے روک کر کھڑا ہو جاتا اور چوسر (Chaucer) کے زمانے کی انگریزی یا ملا وجہی کے زمانے کی اردو میں پوری سنجیدگی کے ساتھ لیکچر کے انداز میں گفتگو شروع کر دیتا اور میں ہنستے ہنستے بے حال ہو جاتا۔ میں جس دوست کا ذکر کر رہا ہوں' یہ عام لوگوں جیسا ہوتے ہوئے بھی عام لوگوں سے بہت مختلف تھا۔ بہت بے خوف' نڈر اور دل کی بات کھل کر کہنے والا۔ اس کا آبائی گھر لاہور سے باہر تھا' چنانچہ اس نے کالج کے قریب ایک مکان کرائے پر لیا ہوا تھا اور یہ لاہور شہر کا واحد گھر تھا جس کے دروازوں پر تالا نہیں تھا۔ اس گھر میں تھا بھی کیا۔ ایک چارپائی' دو تین چائے کے مگ' چنانچہ جس دوست نے ستانا ہوتا تو وہاں جا کر چارپائی پر سو جاتا۔

اس زمانے میں ہمارے کالج میں ایک پرنسپل صاحب تشریف لائے جن کے خیالات یقیناً بہت اچھے ہوں گے' لیکن قابل عمل نہیں تھے'

چنانچہ ہم نے ان کا نام تغلق رکھ دیا۔ ایک دن میرے اس دوست کا اختلاف تغلق صاحب سے ہوگیا' جس پر اس نے کالج کی پروفیسری سے استعفیٰ دیا اور اپنے آبائی قصبے میں واپس جا کر وہاں برتنوں کی دکان کھول لی۔ اس پر ہم میں سے کسی کو بھی حیرت نہ ہوئی۔ یہ درویشی کے انداز اس میں پرانے تھے۔ اس کا کردار بے داغ تھا۔ اس کی باتوں میں گلوں کی خوشبو تھی۔ وہ عالم تھا مگر اسے اپنے علم کا غرور نہیں تھا' میرا کئی دفعہ جی چاہا کہ میں اس کے قصبے کا دورہ کروں اور دیکھوں کہ انگریزی کا پروفیسر اور ایک عام شخص ایک معمولی دکان پر بیٹھا برتن بیچتا کیسا لگتا ہے مگر ہر بار کوئی مجبوری آڑے آئی اور اس ہمدم دیرینہ سے ملاقات کی خواہش دل ہی میں رہی۔ اس دوران اس دوست کے بارے میں عجیب وغریب خبریں سننے میں آ ئیں۔ ایک اُڑتی خبر یہ سننے میں آئی کہ وہ ایک روحانی شخصیت کے طور پر ابھر کر سامنے آیا ہے مگر مجھے اس پر کوئی حیرت نہ ہوئی کیونکہ روحانیت کے اثرات تو شروع ہی سے اس کی شخصیت میں بہت واضح تھے۔ اختلاف رائے پر نوکری سے استعفیٰ دینا اور ایک دانشور کا رزقِ حلال کے لیے برتنوں کی دکان کھولنا اپنے طور پر ایک روحانی فعل تھا' مگر جب میں نے سنا کہ وہ باقاعدہ پیر بن گیا ہے اور اس کے عقیدت مندوں میں جرنیل' بیوروکریٹس' دانشور' ادیب اور صحافی کثیر تعداد میں شامل ہیں تو مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ اب میں دیکھنا چاہتا تھا کہ میرا دوست ''پیر'' بن کر کیسا لگتا ہے اور گذشتہ ہفتے اسلام آباد میں سجاول خاں رانجھا کی کتاب کی تقریب رونمائی میں میری ملاقات اپنے اس دوست سے ہوگئی۔ وہ اس تقریب کی صدارت کر رہا تھا اور ہال اس کے چاہنے والوں سے بھرا ہوا تھا۔

کل کے انگریزی کے پروفیسر اور آج کی اس روحانی شخصیت کا نام پروفیسر احمد رفیق اختر ہے جسے ہم کالج میں رفیق اختر جوگی کے نام سے پکارتے تھے۔ میں نے اسے دیکھا تو میرا سینہ خوشی سے بھر گیا۔ اس کی وضع قطع میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ اسی طرح کلین شیوڈ' ماتھے پر بالوں کی لٹ' خوش پوش اور چین سموکر۔ اس کے گرد عقیدت مندوں کا ہجوم تھا اور وہ انہیں ذکر کی تلقین کرتا تھا اور اپنے ہاتھوں سے انہیں تسبیح کی عبارت لکھ کر دیتا تھا۔ وہ مجھے اسی طرح ملا جیسے ایک پرانے بے تکلف دوست کو ملتے ہیں۔ عقیدت مندوں کی کثرت بھی اس کے انسانی رویوں پر اثر انداز نہیں ہوئی تھی۔ شاید یہ بھی اس کی روحانیت کا ایک کرشمہ تھا! پروفیسر احمد رفیق اختر لوگوں کی فرمائش پر ان کے لیے دعا مانگتا ہے۔ میں نے بھی اس سے اپنے لیے دعا کی فرمائش کی' لیکن میرا اپنا تعلق بھی چونکہ پیروں کے خانوادے سے ہے' لہٰذا میری بھی دُعا ہے کہ پروفیسر رفیق اختر جوگی سے روحانی فیض حاصل کرنے والے طبقے کے رویوں میں وہ تبدیلی واقع ہو جو حقیقی فیضانِ نظر سے حاصل ہوتی ہے اور یوں اگر کوئی جرنیل ہے تو وہ اپنے حلف کی پاسداری کرے' صحافی ہے تو وہ سچ لکھے' بیوروکریٹ ہے تو وہ لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرے' جج ہے تو وہ ہر قسم کے خوف' دباؤ اور لالچ سے بالا ہو کر اپنے فیصلے تحریر کرے اور اگر وہ سیاستدان ہے تو ذاتی مفاد سے بالا ہو کر صرف پاکستان کے مفاد کو مدنظر رکھے۔ اگر اتنے بڑے روحانی منبع سے فیض حاصل کرنے والوں میں یہ تبدیلی نہیں آتی تو میرے دوست کی رہنمائی میں پھیری جانے والی تسبیحیاں اس دنیا کے کاموں کے لیے تو شاید مفید ثابت ہوں' لیکن آخرت میں یہ ان کے کسی کام نہیں آئیں گی۔ گناہ آلود ضمیر بھی عبادات سے نہیں' معاملات کی وابستگی ہی سے مطمئن ہوگا۔